

میری علمی و مطالعاتی زندگی

مدارس عربیہ نصاب تعلیم

علمی اور مطالعاتی زندگی کے بارے میں سوالنامہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ کی خدمت میں بھی بھیجا گیا تھا۔ پیش نظر مضمون جو کچھ عرصہ قبل لکھا گیا ہے میں اس سوالنامہ کی ایک شق پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ہم اسے یہاں شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ

عرصہ دراز سے دینی حلقوں میں مسئلہ نصاب تعلیم زیر بحث ہے اور شدت سے یہ احساس ہو رہا ہے کہ موجودہ مدارس دینیہ عربیہ کا مروجہ نصاب قابل ترمیم ہے اور مسائل حاصرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ نصاب کافی نہیں، امت کے مصالح اور وقت کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بہت سے ایسے عصر اور جدید تعلیم یافتہ قایم نصاب کی انادیت ہی سے منکر ہیں یہاں تک کہ بعض غیر سنجیدہ دماغ تو ان علمی درس گاہوں کے وجود کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک اصل موضوع بحث کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وقت کی دوسری اہم ضرورتوں کی طرح یہ مسئلہ بھی اہم اور بے حد توجہ کا مستحق ہے۔ زمانہ بدل گیا، خیالات بدل گئے، قوموں کی نفسیات بھی تبدیل ہو گئیں، سائنس کی ترقیات نے معاشیات و اقتصادیات کی نئی راہیں کھول دیں فقہ اسلامی کے ابواب میں تمدن حاضر کے بہت سے جدید ابواب کا اضافہ ہوا، ممالک خارجہ سے تجارت درآمد کے نئے وسائل اور بینکوں کے نظام نے اسلامی نقطہ نگاہ یا شرعی نظام کے راستے میں بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے، نئے افکار و خیالات جدید معتقدات اور مختلف علمی و دینی فتنوں نے

جدید علم کلام کی اہمیت اور واضح کر دی۔ یہ خیالات سب درست اور بجا ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جل ذکرہ نے بھی باوجود اپنی قدرت لامحدود اور علم محیط کے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں وقت کے تقاضوں کی رعایت فرمائی۔ عہد ابراہیمی میں صائبین بابل و نینوی کے طبعین کا عروج تھا، اس لئے ابراہیم علیہ السلام کو معجزہ بھی ایسا ہی عطا ہوا کہ صائبین اور طبعین کے لئے باعث حیرت و اعجاز ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر و شعبہ بازی اور اس قسم کے فنون کا عام چرچا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یونانی اطباء اور ان کے حیرت انگیز معالجات کا دور دورہ تھا۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اگر زمین عرب میں فصاحت و بلاغت، قوت بیانی، شعر و خطابت کا شہرہ تھا۔ تو ایران میں خسروانہ کروڑ و ایرانی تہذیب کا دل ربا منظر تھا، اور روم الکبریٰ میں بازنطینی نظام و آئین کار فرما تھا، لیکن دنیائے دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا کہ ان طاغوتی طاقتوں کو رب العالمین کے بندوں کی معجزانہ کار فرمائیوں نے کیسی ناش شکست دے دی اور رب العالمین نے کیسے فصیح و بلیغ معجزانہ اسلوب بیان میں کیسا محیر العقول دستور اور مکام اخلاق کا کیسا جامع ترین نظام نامہ حیات نازل فرمایا۔

اور پھر اسلام کی علمی تاریخ میں آپ دیکھیں کہ ہمارے صالحین نے ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور امت کی مصالحتوں کا کیسے خیال کیا۔ بلاشبہ اب بھی اسکی تقلید کرنے کی ضرورت ہے اور صحیح ضرورت ہے۔ عصری علوم کی ضرورت اور معاشی و اقتصادی مشکلات کی عقدہ کشائی کے سوال کی اہمیت بھی واضح ہے۔ لیکن تعلیم قرآن، درس حدیث اور علوم عربیہ وغیرہ قدیم علوم و معارف کی یقینی اہمیت اب ہونی چاہئے شاید ہی کسی دور میں اہمیت سمجھی گئی ہو۔ کسی مفید اور نافع علاج کی اہمیت اسی وقت زیادہ محسوس ہونی چاہئے جبکہ مرض عام ہو اور ضرورت شدید ہو۔ ہماری انہی دینی درسگاہوں سے اسی صدی میں ایسے ایسے اکابر اور امت کے ایسے ایسے رہنما پیدا ہوئے کہ تاریخ بجا طور پر ان پر فخر کرے گی۔ اور دنیائے اسلام کی علمی تاریخ میں ان حضرات کے اسماء گرامی بہت جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | قدیم نصاب پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ حضرات سارے علوم عربیہ پڑھ لینے کے بعد عربی گفتگو پر قادر نہیں ہوتے، کتنے علماء کے اسماء گرامی پیش کئے جاسکتے ہیں جو بلا تکلف فصیح ترین عربی لب و لہجہ میں گفتگو کی قدرت رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بولنا خاص مہارت و تمرین و مشق پر موقوف ہے۔ ہم نے ممالک اسلامیہ بلکہ خاص قاہرہ و مصر کے بہت سے علماء کو دیکھا کہ وہ فصیح و صحیح عربی پر ارتجالاً پوری قدرت نہیں رکھتے، بلکہ بعض بہترین لکھنے والے ادباء

کو دیکھا کہ وہ بلا تکلف فصیح علمی زبان بولنے پر قادر نہیں جیسے وہ سمجھتے ہیں بلکہ عام مروجہ عامیانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔

تیسری چیز یہ کہ عربی علوم کو لسانیات کے طرزِ تعلیم پر نہیں پڑھایا جاتا بلکہ کتابیں علوم سکھانے کے لئے پڑھائی جاتی ہیں۔ اسی لئے ہمارے عربی نصاب کے ابتدائی درجات میں متعدد کتابیں صرف و نحو کی فارسی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ الغرض یہ کہ علوم کو درجہ اولیٰ میں رکھا گیا ہے۔ اور لسانیات کو ثانوی درجہ بلکہ ضمنی درجہ دیا گیا۔ اس لئے جو عربی بولنے سمجھنے کو مقاصد میں شمار نہیں کیا گیا تھا۔ بہر حال یہ ایک نقطہ نگاہ کا فرق تھا۔ انگریزی تعلیم میں زبان کو پہلے درجہ پر رکھا گیا اور جو اسلوبِ تعلیم زبان کے لئے مناسب ہو سکتا تھا۔ وہی اختیار کیا گیا اور پھر دنیا میں جو ترغیبی مسائل اس کے لئے تھے وہ اس پر مستزاد، بے شکاب و دقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس اسلوب کو بدلتے اور عربی زبان کی تعلیم مقاصد میں شامل کر کے پہلے درجہ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔

قدیم مروجہ نصاب پر ناقذانہ نظر | اس سے پہلے کہ ان وجوہ تنقید کا ذکر کیا جائے جو مروجہ

اور اس کی خصوصیات — | نصاب مدرس عربیہ پر ہو سکتے ہیں۔ یہ گزارش کرنا ضروری

سمجھتا ہوں کہ اصل تصورِ نصاب کا نہیں بلکہ اسلوبِ تعلیم و منہاج تدریس کا ہے۔ نصاب کیسا بھی ہو اگر طرزِ تعلیم و طریقہ تربیت کی اصلاح کی کوشش ہوئی تو یقیناً عام طور سے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں، یہ نہ ہوتے مروجہ نصاب جس کو درس نظامی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ تو چند صدیوں سے اصلاح و ترمیم کے بعد کی ایک مکمل صورت ہے اس ملک کے مختلف ادوار میں کیا کیا نصاب رہا، اسکی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں اور زیادہ تر مقصد۔ اس نصاب کا یہ تھا کہ اس کے پڑھنے سے سارے علوم نقلیہ و عقلیہ میں بحث و نظر اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے صحیح روبرخ پیدا ہو جائے اور قوی استعداد و قابلیت عیسر آئے۔ یہ کبھی مقصد نہیں رہا کہ یہ درس اور یہ نصاب ان علوم کی آخری معلومات اور تفصیلی ابجاث کے لئے بھی کافی ہے، لیکن اس میں شک نہیں اور بلا خود ترمیم و دید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قدیمی نصاب کا واقعی فاضل اور فارغ التحصیل بر شکل سے مشکل نظریہ اور جدید مسائل اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری قابلیت و اہلیت رکھتا ہے بطور مثال یہ عرض کرنا ہے جانہ ہوگا کہ قدیم بطلمیوسی یا فیثاغوریسی علم ہئیت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہئیت و جدید فلسفہ و سائنس کو سمجھے اور صرف مطالعہ سے ان مشکلات سے عہدہ برا ہو۔ کیا بشرحِ خمنی، صدیا، شمس بازغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ جدید طبیعیات و ریاضیات کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انہیں سمجھ سکے؟ یقیناً رکھتا ہے۔

کیا عزالی اور ابن رشد کی تہافتہ الفلاسفہ کو سمجھنے والا ان جدید تالیفات کو نہیں سمجھے گا، یقیناً سمجھے گا اگر قصور ہے تو مطالعہ کا ہے اور نقص ہے تو توجہ نہ کرنے کا بلکہ ان جدید کتابوں کا اسلوب اتنا شگفتہ اور بیان اتنا واضح و دلکش ہوتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، ہم نے دیکھا کہ جب مصر سے الدروس الاولیۃ فی الفلسفۃ الطبیعیۃ چھپ کر آگئی تو حضرت امام العصر مولانا محمد الزر شاہ کشمیری دیوبندیؒ نے اساتذہ دارالعلوم کو پڑھائی تاکہ جدید طبیعیات سے ابتدائی واقفیت ان حضرات کو بھی ہو جائے اور ہم نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو صرف مطالعہ ہی سے ان جدید علوم ریاضیات و طبیعیات کی اتنی ہی معلومات یقیناً جتنی کسی فن کے ماہر و متخصص ہی کو ہو سکتی ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض نظریات یا تحقیقات جو اب تک انگریزی یا جرمنی وغیرہ یورپ کی زبانوں سے عربی میں منتقل نہیں ہوئے ان کا علم بغیر ان زبانوں کے حصول کے نہ ہو سکے۔ لیکن اس میں قصور فن یا استعداد کا نہیں بلکہ زبان کا ہوگا۔

غرض یہ کہ جہاں تک قابلیت و استعداد کا تعلق ہے۔ سابقہ نصاب سے زیادہ معیاری نصاب شاید ہی پیش کیا جاسکے۔ اگر صحیح طریقہ سے سمجھ کر ان علوم کو اور ان سارے فنون کو حاصل کیا جادے تو ایک عینی ذکی فاضل بن سکتا ہے۔ اور ذکی شخص ایک محقق روزگار بن سکتا ہے، اگر کسی کی تحصیل ہی ناقص ہے، جملہ علوم و فنون حاصل ہی نہ کئے تو نصاب کا کیا قصور !!

سوال تو یہ ہے کہ ان قدیمی علوم و فنون کو اور اس نصاب کو کسی نے باقاعدہ حاصل کیا اور صحیح معنی میں تکمیل کی تو یقیناً جو جامعیت و دقت نظر اور رسوخ فی العلم اسے حاصل ہوگا، اسکی نظیر کہیں اور مشکل سے ملے گی۔ بہر حال جو کچھ عرض کیا گیا اس کے صحیح ہونے کے باوجود عربی مدارس کے نصاب تعلیم کی تجدید و ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استعداد پیدا کرنے سے قاصر تھا، بلکہ مزید علوم جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعیات کے سانچے بدل گئے اذواق و افکار میں فرق آگیا، عبارتی دقت اور روشنگاری کیلئے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی۔ اب بہت اختصار کے ساتھ ان نقطوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ تبدیلی یا ترمیم ضروری ہے۔

مدارس دینیہ عربیہ میں اس وقت جو نصاب تعلیم رائج ہے، حدیث و فقہ کی چند کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے قرون کی یادگار ہے۔ جہاں سے صحیح معنی میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا۔ قدامت کی وہ تالیفات جن میں علم کی روح موجود

یعنی عبارت سلیس و شگفتہ، مسائل و قواعد واضح، جن میں نہ عبارتیں تعقیدات تھیں، نہ دور انداز کارباجات۔ جن کے پڑھنے سے صحیح معنے میں دل و دماغ متاثر ہو سکتے تھے، نہ دقت منافع ہوتا تھا، نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا، ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار و سلیس کو سمجھا گیا، زیادہ زور لغظی بحثوں پر دیا گیا لغظی روش گافیاں شروع ہوئیں، یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کاغذ تو کم خرچ کیا گیا، لیکن دقت و دماغ کو اس کے عمل پر زیادہ صرف کیا گیا۔ بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق و غامض ہو جس کے لئے شرح و حاشیہ کی ضرورت ہو۔ کئی کئی توجہات کے بغیر حل نہ ہو، آخر یہ علمی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ تھا، جس سے علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہنچا۔ بطور مثال اسلامی علوم میں اصول فقہ کو لیجئے جو علوم دین اور علوم اجتہاد میں ایک لطیف ترین اور اہم ترین فن ہے، جو قرآن و سنت سے نئے نئے استنباطات کے لئے سب سے اہم راستہ تھا۔ جس کی باقاعدہ تدوین کا فخر دولت عباسیہ کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کو حاصل ہے۔ اور احسن میں اس کے بعد سب سے پہلی کتاب امام محمد ابن ادریس الشافعیؒ کی کتاب الریالہ ہے جو عرصہ ہوا کہ مختصر میں کتاب الامم کے ساتھ چھپ چکی تھی اور اب کچھ عرصہ ہوا بہت آب و تاب سے دوبارہ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی فن میں امام ابو بکر رازمی جصاص (متوفی ۳۷۵ھ) نے کتاب الفضل فی الاصول لکھی جس کا ایک عمدہ نسخہ دار المکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے، اور جس کی نقل راقم الحروف نے کے توسط سے مجلس علمی ڈابھیل۔ محال کراچی کے لئے ہندوستان و پاکستان آئی۔ امام غزالیؒ اسلام بزدلی نے کتاب الاصول لکھی جس کی عمدہ ترین شرح عبدالعزیز بخاری کی ہے جو ترکی کے سابق دار الخلافہ سے دو دفعہ شائع ہوئی اور جس کی حیر العقول عظیم ترین شرح امیر کاتب عمید الدین اتقانی کی دو اشامل "دس جلدوں میں دار المکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں ہے، لیکن افسوس کہ دونوں جگہ ابتدائی دو ڈھائی جز کا نقص ہے۔ اس کی نقل بھی راقم الحروف نے کے توسط سے مجلس علمی میں آچکی ہے۔ امام شمس اللہ مرقی نے کتاب الاصول لکھی جس کے نسخے ترکی و مصر میں موجود ہیں، یہ اور اس کے علاوہ اس فن میں متقدمین کی عمدہ و نافع کتابیں ہیں۔ امام حجتہ الاسلام غزالیؒ کی "الاصول" اس فن کی عمدہ کتاب ہے اور اس کے علاوہ اس فن میں امام ابو یزید دلبوسیؒ کی کتاب تقویم الادلۃ بے نظیر ہے۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسی نادرہ روزگار کتابوں کی جگہ امام ابن ہمامؒ کی "تحریر الاصول" اور ابن عاصب کی مختصر الاصول اور بیضاویؒ کی منہاج الاصول یا ابوالبرکات نسفیؒ کی منار الاصول یا صدر الشریعہ کی تنقیح الاصول

نے لی۔ اگر تحریر الاصول کی شرح البیہرہ المقربین ابن امیر الحاج کی نہ ہو یا التیسیر ابن امیر بخاری کی نہ ہو اور قاضی بیضاوی منہاج شرح الاسدوی کی نہ ہو تو یہ چھیٹاٹین احست کے کیا کام آسکتی ہیں۔؟ یہ مانا کہ ان میں کچھ دقیق و لطیف ان کے مختارات یا خصوصی اباحت بھی ہیں، لیکن دوسری طرف مہات جبر، تجیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی علمی روح پیدا کرنے کے لئے مفید نہیں ہو سکتیں۔

اسی طرح صرف و نحو، معانی، بیان، منطق، فلسفہ، فقہ و تفسیر ادب وغیرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو صوبہ کا حاصل بھی نکلے گا۔ مردجہ درسیات میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں پوری داد و دقیق دی گئی اور ایجاز و اختصار کا رویہ قائم کیا گیا ہے۔

بیشک ذہن کی عبادت و دقت فطرانہ و مشکافی کے کمال کو حاصل کرنے کے لئے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں۔ لیکن عہد حاضر میں ان کے جو نقصان خصوصاً ہوئے ہیں۔ ان میں سے بطور مثال چند پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ان کتابوں میں زیادہ تر دقت لفظی مباحث اور عبارتی مشکافیوں پر خرچ ہوتا ہے۔

۲۔ فن کے قواعد اور مسائل کے یاد کرنے کی بجائے مصنف کے مقصد سمجھنے پر دقت ضائع ہوتا ہے۔

۳۔ فن کے قواعد اور مسائل یاد ہو جانے سے جو ایک اعلیٰ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جو ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہونی چاہیے۔ ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ صرف ان کا پڑھنے اور پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق و بالبصیرت عالم بن سکتا ہے۔ اس کا سارا دقت اس لفظی اور عبارتی تعقیدات کی نذر ہو جاتا ہے اور اس میں نکتہ آفرینی کو کمال سمجھنے لگتا ہے۔ اس کو اتنی فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ اس فن کی انہات اور اساسی تصنیفات کا مطالعہ کر سکے۔

۵۔ مشکل پسندی کا ذوق ختم ہو چکا ہے۔ صرف و نحو کے مسائل میں فقہ و اصول کی عبارات میں، مسیت و ریاضی کی مثالوں کے قائم کرنے کا دور گزر چکا ہے۔

۶۔ بہت سے دیندار حضرات کو ان علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے کا شوق و انگیزہ ہوتا ہے۔ لیکن جب ان مشکلات کا احساس ہوتا ہے تو گھبرا کر مجبوراً اپنے ارادہ کو شرمندہ عمل نہیں کر سکتے۔

۷۔ جو شخص ذکی الطبع اور ذہین نہ ہو یا محنتی نہ ہو وہ ان کتابوں سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

۸۔ متن اور اس پر شرح اور پھر مشرح کا حاشیہ یہ اسلوب عصر حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔

۹۔ ان کتابوں میں اختصار کی وجہ سے فن کے بہت اہم مسائل اور جزئیات نہیں آسکے اور جتنے آسکے اختصار کی وجہ سے اس کے اطراف و جوانب اتنے واضح نہ ہو سکے۔

۱۰۔ علم کلام جدید، فلسفہ جدید، علم الاقتصاد، اور بعض جدید علوم سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے۔

اور آج اسکی ضرورت محسوس ہو رہی ہے جس طرح پہلے جہمیہ، حشویہ، خوارج، معتزلہ و قدریہ صحیح مسلک سے ہٹے ہوئے اور باطل فرقے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح ان کے عقائد اور ان کی تردید دین کا اہم جز تھا، اسی طرح آج لادینی نظام حیات اشتراکیت و فسطائیت وغیرہ کے مسائل پر قواعد اسلام کے پیش نظر نقد و تبصرہ دین کا اہم جز ہے۔ آج اگر ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق و تنقیح کے بعد امت کے لئے اسلحہ تیار کر کے دے چکے تھے اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دفاع کے لئے تیار کرتے اور علوم کا بیش بہا اضافہ فرماتے۔

اس ضمن میں سرسری طور پر چند موٹی موٹی باتیں عرض کی گئی ہیں۔ اگر ہم ان اشارات کو اور اختصار سے پیش کرنا چاہیں تو اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں،

(الف) قدیم علوم کی کتابوں میں اکثر مروجہ کتابوں کی تبدیلی

(ب) جدید علوم کا اضافہ

اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھانی جاتی ہیں جن پر کم از کم آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے۔ ان پر جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا ہے شکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا۔ بقیہ سب کا نعم البدل قدامی کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے بلکہ ان علوم میں صحیح ہدایت و قابلیت پیدا کرنے کے لئے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم اس سلسلہ میں "تجدد" نہیں بلکہ "تقدم" چاہتے ہیں۔ اور یہ ان علوم اسلامی کی خیر خواہی کے لئے چاہتے ہیں۔ اور امت حاضرہ کے مفاد کے پیش نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔

اب میں جن نقطوں کے پیش نظر جن خطوط پر جدید نصاب کی بنیاد یا قدیم نصاب کی ترمیم کا خواہش مند ہوں ان کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جدید نصاب تعلیم کی ضرورت اور اسکی خصوصیات | جدید نصاب تعلیم میں جو بنیادی خطوط ہیں میرے ناقص خیال میں اس کے تین نقطے ہیں۔

(الف) تخفیف :- یعنی نصاب مختصر ہو جس کی فراغت و حصول میں بہت زیادہ عرصہ کی

ضرورت نہ ہو۔

(ب) تسہیل :- یعنی نصاب میں مندرجہ کتابیں سہل و سلیس زبان میں ہوں، پیچیدہ و دقیق نہ ہوں۔

(ج) محو اثبات یا اصلاح و ترمیم :- یعنی بعض غیر اہم فنون کو ساقط کر کے جدید مفید

علوم کا اضافہ۔

پہلے نقطے کی تشریح | نصاب جتنا مختصر ہوگا اس کے طالبین و شائقین میں حصول کا جذبہ زیادہ پیدا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ مختصر نصاب سے بعض اوقات ہر طبیعت پوری طرح مستفید نہ ہو سکے گی۔ لیکن اسکی تلافی کے لئے ایک مشترکہ عام نصاب کے بعد تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کے درجات مقرر کئے جائیں جس کو جس فن سے زیادہ مناسبت ہو یا طبعی رجحان ہو اسکو وہ حاصل کر کے فن کا ماہر خصوصی بن سکے گا۔ مصر کے جامع انہرنے جدید نظام تعلیم میں انہی اصولوں کا خیال کیا ہے۔ اور جامع انہرنے کے جدید نظام تعلیم میں تین کلیات (کالج) ہیں۔ (۱) کلیۃ اصول الدین۔ (۲) کلیۃ الشریعۃ۔ (۳) کلیۃ الآداب۔ پھر ہر کلیہ میں کچھ درجات تخصص (ڈاکٹریٹ) کے رکھے ہیں۔

میرے خیال میں تخصص و تکمیل کے لئے حسب ذیل درجات ہونے چاہئیں۔

(۱) التخصص فی علوم القرآن والتفسیر (۲) التخصص فی علوم الحدیث۔ (۳) التخصص فی الادب والتاریخ۔ (۴) التخصص فی الفقہ واصول الفقہ والقضاء والافتاء۔ (۵) التخصص فی علم التوحید والفلسفہ والمعقول (۶) التخصص فی علم المعیشة والاقتصاد۔ (۷) التخصص فی علم الاخلاق والنسب۔

سہ سالہ مختصر نصاب | اس ضمن میں میری ایک خواہش یہ ہے کہ ہمارے مرکزی مدارس میں جہاں علمی نصاب و علمی تحقیقات کے لئے کوشش ہو اس کے ساتھ ایک ایسا مختصر نصاب ان حضرات کے لئے مقرر کیا جائے جو انگریزی تعلیم سے بقدر ضرورت فراغت پاسکے ہیں۔ وہ مدرس عالم بننا نہیں چاہتے بلکہ صرف اپنی دینی ضرورت کے پیش نظر قرآن و حدیث و اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک سہ سالہ نصاب مقرر کیا جائے جس میں صرف و نحو، قرآن، حدیث، فقہ و عقائد اور ادب و تاریخ تک علوم شامل ہوں ان کو پڑھ کر عربی زبان میں بولنے اور لکھنے کی قدرت کے ساتھ اپنی ضرورت کو پورا کر سکے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وقت کے اہم تقاضوں میں سے ایک تقاضہ یہ بھی ہے اور بہت سے قلوب میں یہ تڑپ موجود ہے۔

جہاں اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک انگریزی گریجویٹ عالم دین بن سکے۔ اس کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دینی و دنیوی تعلیم میں جو خلیج حائل ہے اور فریقین ایک دوسرے سے مسلک و خیال میں دو نقطوں پر الگ الگ ہیں۔ ان میں اجتماع کی خوشگوار صورت پیدا ہوگی۔ اور ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے۔ اور خیالی و دہمی بدگمانیوں میں جو ہر فریق مبتلا ہے۔ یہ اختلافات بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے اب ہمیں تین نصابوں کی ضرورت ہوگی۔ (۱) ایک مدرس عالم کے لئے نصاب۔ (۲) دوسرا ماہر خصوصی

کے لئے نصاب۔ (۳) تیسرا صرف دینی ضرورت کے لئے عالم بننے کا نصاب۔

دوسرے نقطے کی تشریح | دوسرا نقطہ تیسیر کا تھا۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ہر زمانے کا

ایک خاص مزاج اور خاص ذوق ہوتا ہے۔ جب علم کی صحیح ترقی ختم ہوگئی یا رک گئی یا یوں کہتے کہ

معراج کمال تک ان علوم اسلامیہ اور مبادی علوم کا معیار حسب بلند ہوا تو طبعی طور پر انحطاط لازمی تھا،

اب سارا زور و کمال تالیف کا معیار قواعد کی تلخیص، مسائل کی تنقیح عبارت آرائی، متن زیبی و ایجاز طرائق

اختصار کے لئے نئے اسلوب، لفظی روشنگاری وغیرہ قرار پایا۔ علمی سابقہ کا میدان بھی بن گیا۔ منظوم

قواعد تیار ہونے لگے۔ مبادی و وسائل مقاصد بن گئے۔ علوم عربیت کا مقصد قرآن و حدیث کے لغوی

ترکیبی اور اعرابی مشکلات کا حل تھا۔ لیکن آگے چل کر یہ مبادی خود مقاصد بن گئے قرآن و حدیث کی

تراکیب اپنی جگہ رہیں خود ان کتابوں کے مسائل و عبارات مرکز توجہ بن گئے۔ ابن صاحب کے کاتبہ

کو بیچے جس کی پچاس سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں، پھر شرح ملا جامی جو ان مشروح میں سے ایک شرح

ہے۔ اس کے حواشی اور مشروح کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ اس پر اسکی شرح عبد الحفیز کو بیچئے، پھر

اس کا نکتہ عبد الحکیم سیالکوٹی اور ان دونوں کی شرح "دافع التوہمات" کو دیکھئے، اسی طرح ابن مالک کی

"الغنیہ" اس کی شرح اور ان میں سے شرح "اشمونی" اور پھر اس کی شرح "صبا" سات ضخیم جلدات

میں دیکھئے کہ ساری عمر اپنی کے مطالعہ کی تذر ہو جائے۔ آخر خود کیا جائے کیا یہ مبادی واقعی اتنی توجہ

کے مستحق تھے! بہر حال جو کچھ ہوا ایک خاص دور کا تقاضا تھا اور ذوق طلب تھا۔ جو پورا ہو گیا۔

اس طرح بقیہ علوم و بقیہ کتب کی حالت کو قیاس کر لیجئے۔ اب نہ تو طبائع میں وہ جولانی رہی اور نہ وہ

جفاکشی، محنت و عرق ریزی کی صلاحیت دماغوں میں رہی، نہ وہ فرصت و طمانیت رہی اور سب

سے بڑی بات یہ کہ نہ اسکی حاجت رہی مشکل پسندی سے فکر اٹانے لگی، جدید کتابیں لکھی گئیں، ادب

و انشاء کا طرز و اسلوب بدل گیا، قدما کی کتابیں پرسیں میں آنے لگیں اہل عصر نے ہمت کر کے ذوق عصری

کی تشنگی کے لئے جدید سانچوں میں عنیافت طبع کی خاطر عمدہ تصنیفات پیش کیں۔ اس ماحول میں اگر ہم اب

بھی ان غیر اہم مسائل پر جے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی اور ہمارا یہ طرز عمل

ہمارے اکابر و سلف کی اس "تراشِ فاخر" اور اس علمی ثروت و سرمایہ کو فنا کے گھاٹ اتار دیگا۔

یہ درحقیقت علم کی خیر خواہی نہیں۔ بلکہ نادان دوست کا سا طرز عمل ہوگا، کیا فقہ اسلامی میں کنز الدقائق،

وقایہ، نقایہ اور شرح وقایہ کے بہترین بدل اسلاف ہی کی کتابوں میں موجود نہیں، کیا جامع صغیر، جامع کبیر

وغیرہ براہ راست مدون فقہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتابیں ہر حیثیت سے جامع نہیں ہیں؟ ان میں

جو علم اور برکت ہوگی وہ ان متاخرین کی کتابوں میں کہاں سے ملے گی۔ میرے ناقص خیال میں کتب فقہ میں نور الایضاح، قدوری اور ہدایہ کے علاوہ بقیہ سب قابل تبدیلی ہیں۔

دیکھئے فلسفہ، منطق اور کلام کو لیجئے، امام حجت الاسلام غزالی کے چند رسائل محکم النظر، معیار العلم مقاصد الفلاسفہ، الاقتصاد فی الاعتقاد، وغیرہ وغیرہ کے پڑھنے سے وہ مہارت پیدا ہو سکتی جو بمشکل ان بڑی دقیق و طویل کتابوں سے حاصل ہوگی، غزالی کی حسن تعبیر، تفہیم اور حل مشکلات کی فوق العادہ قدرت کا کیا دنیا کے مسلمات میں شمار نہیں؟ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض مسائل فن کے غیر مذکور ہوں اور بعض غیر منقح ہوں، لیکن جتنے مذکور ہیں ان سے جتنی مہارت و مناسبت انشراح صدر و اطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے، متاخرین کی اکثر کتابوں میں وہ روح کبھی نہیں مل سکتی۔ امام رازی، جو منطق و فلسفہ کے سب سے بڑے امام ہیں ان کی کتابیں نہایت سلیس شگفتہ عبارت میں امت کی جو رہنمائی و عقدہ کشائی کر سکتی ہیں وہ متاخرین کی کتابیں کبھی نہیں کر سکتیں۔ امام رازی کے لباب الاشارات، المحصل والاربعین کو دیکھئے۔ مصنف کو دل سے دعا دیجئے۔ کیا مشکلات کو مشکل تر بنانا یہ کمال ہے، یا مشکلات کو آسان بنا کر امت کے سامنے پیش کرنا کمال ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ بہر حال تفسیر کو اختیار کرنا نہ صرف وقت کا اہم تقاضا اور امت حاضرہ کی اہم ضرورت ہے بلکہ علوم اسلامیہ کی صحیح خدمت ہے۔ اور علوم سے پہلے دین اسلام کی خدمت ہے۔

رض کیجئے کہ ہم نے کاغذ بچا کر ایک صفحہ میں اتنے اختصار کے ساتھ کسی مضمون کو ادا کیا جسکی تفصیل چند ورق میں ہو سکتی ہے، لیکن اس کے پڑھانے کے لئے درس کو ایک گھنٹہ کا وقت دینا پڑا اور کافی تمہید و تشریح کے بعد وہ مشکل حل ہوا، لیکن یہاں تشریح و داغ سے غائب ہوئی مضمون بدستور چسپتاں رہا۔ اگر اس کے بجائے وہ مضمون دو صفحات میں ادا کیا جاتا اور سرسری نظر میں ذہن نشین ہو جاتا تو بانیے کون سا طریقہ بہتر ہوتا۔؟ غور فرمائیں بلاشبہ کاغذ و شنائی تو زیادہ خرچ ہوئی، لیکن وقت اور داغ کم خرچ ہوا، گویا ہم نے اختصارات و ایجازات سے کاغذ پر تو رحم کیا لیکن داغ جیسے لطیف جوہر اور وقت جیسے گرانبوا سرمایہ کو بے رحمی سے خرچ کیا۔ کیا غزالی و رازی، تقی الدین ابن دقیق العید، عز الدین ابن عبد السلام، ابن تیمیہ، ابن قیم جیسے افراد روزگار محققین ان چسپتانوں کی بدولت اذکیاء امت میں شمار ہوئے ہیں۔ کیا ان بزرگوں کی کتابوں میں ان متاخرین یا قرون وسطیٰ کے مشکل پسند طرز تعبیر کا کہیں پتہ ملتا ہے۔؟ — داستان طویل اور دردناک ہے، حاصل وہی ہے جو گزشتہ سطور میں پیش کیا گیا۔

(باقی آئندہ)